اُردو تاریخ نگاری میں مولوی بشیر الدین احمد کی خدمات

ڈاکٹر شہناز بیگم

ملخص

بشیر الدین احمد کے یہاں تاریخ کا مقصد صرف یہ نہیں کہ باعظمت لوگوں کی زندگی کے حالات بیان کئے جائیں . بلکہ انھوں نے یہ کوشش کی کہ جنگی حالات ،تخت نشینی ، انتظامِ حکومت، معاشی ،تہذیبی وتمدنی حالات اوراس سے متعلق تمام جزئیات کی تفصیل تاریخ میں پیش کی جائے .انھوں نے ہمیشہ طویل موضوعات کا انتخاب کیا .اس کا اندازہ ان کی تحریر کی ہوئی تینوں تاریخی تصانیف،واقعات دارالحکومت دہلی، واقعات مملکت بیجاپور اور تاریخ بیجانگر سے لگایا جاسکتا ہے جوکئی صدیوں کے واقعات پر محیط ہیں۔ جہاں ان کی تاریخ نگاری میں خوبیاں پائی جاتی ہیں وہیں کچھ کمیاں بھی پائی جاتی ہیں۔ان کی تاریخ کتب میں بعض واقعات کا بیان اتنا مختصر ہے کہ اہم ترین واقعات پس پشت چلے گئے ہیں۔اس وجہ سے قاری کوئی رائے قائم نہیں کرسکتا اور کہیں کہیں بعض واقعات کی غیر ضروری تفصیل ہے۔جیسا کہ یہ پہلو غور طلب ہے کہ تاریخی واقعات بیان کرنے میں حقائق سے چشم پوشی کرنا۔تاریخ کو اس کے معیار سے گرادینا ہے۔

مولوی بشیر الدین احمد کا مختصر تعارف

مولوی بشیر الدین احمد کی پیدائش ۱۴راگست ۱۸۶۱ کو ہوئی .وہ ڈپٹی نذیر احمد کے اکلوتے بیٹے تھےان کے دادا مولوی سعادت علی بڑے نیک اورصوم وصلوۃ کے پابند تھے، وہ عربی اور فارسی کے منشی تھے۔بشیر الدین احمد کے جد اعلی شاہ عبدالغفور اعظم پوری حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے خلفاء میں سے تھے۔بقول خواجہ احمد فاروقی:

''جو اپنی مہارت وریاضت کی وجہ سے شاہ ولایت اعظم پور کہلائے۔''(1)

بشیر الدین کے والد نذیر احمد نے ان کی تعلیم وتربیت کی طرف خاص توجہ دی۔ وہ چاہتے تھے کہ بشیر الدین نہ صرف عربی، فارسی اور انگریزی پر قدرت حاصل کریں بلکہ ریاضی اور دوسرے مضامین میں بھی محنت کریں۔

بشیر الدین احمد نے ''لخت جگر'' میں اپنی تعلیم کے بارے میں اس طرح لکھا ہے:

''انھوں نے (نذیر احمد) نے مجھے کسی استاد سے نہیں پڑھوایا بلکہ خود پڑھایا میری تعلیم کی طرف سے دیوانے تھے ان کا بس نہیں چلتا تھا کہ گھول کر پلا دیں۔''

کبھی میری بدشوقی کو دیکھتے تھے تو ان کو حد درجہ ہراس ہوتا تھا بھلا یہ بے قراری باپ کے سوا کسی اور استاد کو کیوں ہونے لگی۔(2)

بشیر الدین احمد تعلیم سے فراغت کے بعد سولہ سترہ سال کی عمر میں ملازمت کی غرض سے حیدرآباد چلے گئے ان کے بیٹے شاہد احمد دہلوی نے اس بارے میں لکھا ہے:-

''میرے والد نے سولہ۔سترہ سال کی عمر میں حیدرآباد دکن میں ملازمت کر لی تھی. ملازمت کا آغاز سوم تعلق دار سے ہوا اور اپنی اعلیٰ کارکردگی کے باعث اوّل تعلق داری تک ترقی کی۔''(3)

مولوی بشیر الدین احمد اپنے والد ڈپٹی نذیر احمد سے بے حد متاثر تھے (جنھوں نے مراۃ العروس، توبۃ النصوح، ابن الوقت، فسانۂ مبتلا جیسی کتابیں تحریر کیں) ان کو اپنے والد کی طرح تصنیف وتالیف میں بے حد دلچسپی تھی انھوں نے امریکہ کے ڈاکٹر اسٹائل کی تصانیف سے متاثر ہو کر اردو زبان میں کتابیں لکھیں، انھوں نے بچوں، عورتوں اور سماجی اصلاح کے لئے کتابیں لکھیں لڑکیوں کے حسن معاشرت، اقبال دلہن اور اصلاح معشیت بھی تحریر کی۔ ڈاکٹر اسٹائل کے طرز پر انھوں نے عصائے پیری، حرزِ طفلاں، نشاطِ عمر، وغیرہ کتابیں لکھیں۔ اس کے علاوہ تاریخ کے موضوع پر انھوں نے تاریخ بیجانگر، واقعاتِ مملکت بیجاپور، تصنیف کیں۔

شاہد احمد دہلوی نے ان کے تصنیف وتالیف کے تئیں دلچسپی کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے

''خود ابّا کو لکھنے پڑھنے کا بہت شوق تھا، چنانچہ آغازِ جوانی میں انھوں نے حسن معاشرت جیسا اصلاحی ناوّل لکھ ڈالا جسے دادا ابا دیکھ کر بہت خوش ہوتے تھے۔ بچیوں کے لئے حسن معاشرت کے بعد ابا نے دو ناوّل اور لکھے تھے اقبال دلہن اور اصلاح معیشت ملازمت کے زمانے میں سات آٹھ سو صفحے کی کتاب تاریخ بیجانگر لکھی اس کے بعد دو ضخیم جلدوں میں تاریخ بیجاپور لکھی ان کتابوں پر نظام گورنمنٹ نے گرانقدر انعام دیا تھا، امریکہ کے ڈاکٹر اسٹائل نے کوئی پچاس سال ادھر ایک سلسلہ کتابوں کا لکھا تھا۔''

What a girl اورWhat a boy ought to know ought to knowوغیرہ اسی کی طرز پر ابا نے حرزِ طفلاں، نشاطِ عمر، عصائے پیری اور بچیوں کے لئے دو دو کتابیں لکھی۔ ڈاکٹر اسٹائل نے اپنی کتابوں میں جگہ جگہ بائبل کے حوالے دئے تھے، ابا نے ان کتابوں میں قرآن کی آیاتیں حسبِ موقع دیں۔ ان کی یہ سب تصانیف زمانہ حیدر آباد کی ہیں۔''

بشیر الدین احمد کی تاریخ نگاری

جہاں تک بشیر الدین احمد کے تاریخ سے متعلق نظریات کا سوال ہے انھوں نے تاریخ کی بنیاد کس نظرے پر قائم کی یا دوسرے مورخین کے کن تاریخ حیالات وتصّورات اور رجحانات سے متاثر ہوئے یا پھر تاریخ سے متعلق ان کے بنیادی رجحانات کیا ہیں اس پر تفصیلی روشنی ڈالنا ضروری ہے۔

ان کے نزدیک تاریخ کا مقصد یہ ہے کہ'' واقعات کو بلا کم وکاست نہایت سلیس طور پر بیان کیا جائے۔(4)

بشیر الدین احمد کے یہاں تاریخ کا مقصد صرف یہ نہیں کہ باعظمت لوگوں کی زندگی کے حالات بیان کئے جائیں. بلکہ انھوں نے یہ کوشش کی کہ جنگی حالات، تخت نشینی، انتظامِ حکومت، معاشی، تہذیبی وتمدنی حالات اور اس سے متعلق تمام جزئیات کی تفصیل تاریخ میں پیش کی جائے.

انھوں نے ہمیشہ طویل موضوعات کا انتخاب کیا.اس کا اندازہ ان کی تحریر کی ہوئی تینوں تاریخی تصانیف، واقعات دارالحکومت دہلی، واقعات مملکت بیجاپور اور تاریخ بیجانگر سے لگایا جاسکتا ہے جوکئی صدیوں کے واقعات پر محیط ہیں۔

مولوی بشیرالدین احمد نے تاریخ کے موضوع پر تصانیف لکھتے وقت اس بات کا خیال رکھا کہ ان کی تاریخ دلکش اور دلچسپی سے خالی نہ ہو۔ چنانچہ اس پہلو کو دھیان میں رکھتے ہوئے بیچ بیچ میں ایسے واقعات بیان کئے ہیں جن سے تاریخ پر لطف معلوم ہواس کے علاوہ کہیں کہیں عبارت میں روزمرہ کہ محاروں کا بھی استعمال کیا ہے، جہاں تک حقائق کا سوال ہے تو انھوں نے تاریخ کیلئے صداقت کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے تاریخ کو غلط بیانی طوطیانی بندی سے نفور قرار دیتے ہوئے واقعات کو بلاکم وکاست بیان کا نام دیا ہے اس کے علاوہ انھوں نے واقعات مناسب ترتیب کے ساتھ ایک تسلسل میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے.تا کہ فن تاریخ نگاری مجروح نہ ہو۔

چنانچہ انھوں نے اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے تاریخ انسانی کے ان پہلوؤں کو نمایاں کیا جن پر دھند چھا چکی تھی۔مورخ ہونے کے ساتھ ساتھ ناقد کی نظر سے کہیں کہیں حالات کے تغرات کا جائزہ لیا ہے۔تاریخ سے متلق کا ان نظریہ حسب ذیل عبارت سے لگایا جاسکتا ہے۔

> ''مذہبی ہادیوں کی زبانی سحر انگیز تقریروں کے بعد کس قوم کے مردہ دلوں میں جوش پیدا کرنے اور ہمت بڑھانے کا اگر کوئی عمدہ ذریعہ ہے تو وہ تاریخ ہے اور تاریخ بھی کون سی ان کے آباواجداد کی۔''(5)

ان کی تاریخ نگاری کا نمایاں پہلو تاریخی مقاصد کو پیش نظر رکھتے ہوتے سادگی کے ساتھ اپنے نقطۂ نظر کو واضح کرتا تھا۔اس کے علاوہ ماضی وحال کے اچھے وبرے پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالنا تھا تا کہ لوگوں کو عبرت مل سکے۔بشیرالدین احمد اختصار نویسی کے قائل ہیں یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ انھوں نے تاریخی واقعات کو اختصار کے ساتھ بیان کیا انھوں نے تاریخ کو مذہب سے ملانے کی کبھی کوشش نہیں کی اور نہ ہی اپنی تصانیف کے ذریعہ قوم کو یہ پیغام نہیں دیا ہے

وہ ماضی کی شاندار روایات سے متاثر ہوکر اپنے مستقبل کو سنواریں یا اس کی فکر کریں حالانکہ وہ ایک بڑے انشاپرداز تھے لیکن انھوں نے انشاپردازی اور تاریخ میں بڑا فرق مانا ہے۔اس کا

تذکرہ اپنی کتاب: واقعات دارالحکومت دہلی کے دیباچہ میں کیا ہے۔ جیسا کہ وہ لکھتے ہیں۔

''یہ ایک تاریخی کتاب ہے رنگ آمیزی اور مبالغے سے کوسوں دور غلط بیانی اور طوطیا بندی سے نفور۔''

اس طرح انھوں نے تاریخ کے اصولوں سے انصاف کرنے کی ہمیشہ کوشش کی ہے۔ جہاں ان کی تاریخ نگاری میں خوبیاں پائی جاتی ہیں وہیں کچھ کمیاں بھی پائی جاتی ہیں۔ ان کی تاریخ کتب میں بعض واقعات کا بیان اتنا مختصر ہے کہ اہم ترین واقعات پس پشت چلے گئے ہیں۔ اس وجہ سے قاری کوئی رائے قائم نہیں کرسکتا اور کہیں کہیں بعض واقعات کی غیر ضروری تفصیل ہے۔ جیسا کہ یہ پہلو غور طلب ہے کہ تاریخی واقعات بیان کرنے میں حقائق سے چشم پوشی کرنا۔ تاریخ کو اس کے معیار سے گرادینا ہے۔

مورخ اگر چہ واقعات میں ذراسی بھی کمی کردے تو وہ تاریخ نہیں رہتی۔ بشیر الدین احمد نے موضوع کا انتخاب کرتے ہوئے اس معیار کو سامنے رکھنا تو چاہا ہے ایک طرف تو انھوں نے عمارات کی تفصیل بیان کی تو دوسری طرف بادشاہوں کی زندگی اور ان کے کارناموں کا ذکر کیا ہی نہیں۔ اگر انہیں کوئی خاص خامی دکھائی دی تو اسے بلا جھجک پیش کردیا ہے۔ کیونکہ ''ان کے نزدیک تاریخ اور صداقت کا آپس میں گہرا تعلق ہے، جس کو وہ غلط بیانی اور طوطیا بندی سے نفور قرار دیتے ہیں اور واقعات کو بلا کم وکاست سلیس طور بیان کردینے کو اہم ترین مانتے ہیں۔'' بشیر الدین احمد نے بات کہی تو ہے مگر عملاً انھوں نے اپنی تاریخ نگاری میں اس کو پوری طرح استعمال نہیں کیا۔ کہیں کہیں واقعات کی غیر حقیقی وغیرہ ضروری تفصیل ملتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود انھوں نے کہیں کہیں یہ کوشش کی ہے کہ تاریخ نگاری میں سچائی کو نہ چھوڑیں۔ اس سلسلے میں بعض واقعات کے بیان کے لیے بشیر الدین احمد نے مختلف مورخین کے بیانات نقل کئے ہیں۔ لیکن ان سب بیانات کو مدنظر رکھتے ہوئے انھوں نے اپنی ذاتی رائے کا اظہار نہیں کیا۔ جس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ تحقیق وجستجو سے کام نہیں لیا۔ انھوں نے اپنی تاریخی کتب میں اس زمانے کی معاشرت اور تہذیب کے نقوش اُجاگر کرنے کی کوشش کی۔ انھوں نے روایات کو زیادہ اہمیت دی شخص اور شخصیت کی اہمیت پشت چلی گئی۔ جس سے روایات وسیلہ بن گئی۔ اور یہی ہے کہ بعض اہم۔ پہلو نظر انداز

ہو گئے اور ان کی جگہ غیر اہم پہلوؤں نے اہمیت حاصل کر لی۔

اس کے علاوہ وہ پرانی تاریخوں کے حوالے سے تاریخ کو مستند تو بنانا چاہتے تھے مگر حوالوں کے ایڈیشنوں اور صفحات وغیرہ کی نشادہی بغیر تاویلوں سے دی ہے۔جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنی تصانیف میں تحقیق پر زیادہ زور نہیں دیا لیکن اس سے یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ تاریخ سے متعلق دوسری ضروریات کو کوئی اہمیت نہیں دیتے یا اپنی تصانیف میں بالکل نظر انداز کر دیتے ہوں۔انھوں نے ان تقاضوں کو اپنی تاریخ میں برتنے کی ہر ممکن کوشش کی۔

یہ ٹھیک ہے کہ بشیر الدین احمد نے واقعات کا غیر جانبدار جائزہ لینے کی کوشش تو کی ہے مگر پوری طرح سے غیر جانبدار نہیں رہ پائے بعض موقعوں پر ان کا اندازِ بیان رنگین نظر آتا ہے۔اور تاریخ کے لیے اندازِ بیان میں رنگینی کو ملحوظ رکھنا گویا تاریخ کے فن کو ٹھیس پہنچانا ہے۔

بشیر الدین احمد کی تاریخ کے موضوع پر تصانیف

بشیر الدین احمد نے ویسے تو مختلف موضوعات پر کتابیں لکھیں جن کا تعلق ادب سے تھا۔لیکن تاریخ کے موضوع پر تین تصانیف تاریخ بیجانگر، واقعاتِ مملکت بیجاپور اور واقعات دارالحکومت دہلی قابل مطالعہ ہے۔

تاریخ بیجانگر:

تاریخ بیجانگر ۱۹۱۰ء میں شائع ہوئی۔جو ۱۱۷/ابواب اور ۴۴۳ صفحات اور ۱۴ ضمیمہ پر مشتمل ہے۔اس کتاب میں ۱۳۳۶ء تا ۱۶۲۰ء کے سیاسی واقعات کا تذکرہ بہ تفصیل کیا گیا ہے۔اس میں بیجانگر کے راجاؤں ہمعصر سلاطین گلبرگہ، عادل شاہیہ بیجانگر) و نظام شاہیہ (احمد نگر) و قطب شاہیہ (گولکنڈہ) کے قدیم حیرت انگیز کارنامے درج ہیں۔اس کے علاوہ تاریخی عمارتوں کا ذکر بڑی شرح وبسط کے ساتھ کیا گیا ہے۔البتہ عوام کی حالت پر کوئی روشنی نہیں ڈالی گئی ہے۔

مولوی بشیر الدین احمد نے تاریخ کو مستند ماخذات سے معتبر بنانے کی کوشش کی ہے۔انھوں نے اس کتاب کی تصنیف و تالیف میں تاریخِ فرشتہ، ہنری کوزن کی گائیڈ بیجاپور، میڈوزیٹلر کی سوانح عمری، میڈوزٹلر کی ہسٹری آف انڈیا، مارسڈن کی تاریخ ہند، وغیرہ مورخین کی تصانیف سے

استفادہ کیا ہے۔جس کی وجہ سے یہ تاریخ ایک مستند تاریخ مانی جاتی ہے۔اس کے علاوہ پتھروں کے کتبوں،متفرق کاغذات احکام وفرامین واسناد سے بھی استفادہ کیا۔مؤلف نے نہ صرف بیجاپور کے بنیادی ماخذات کا مطالعہ کیا بلکہ خود وہاں کے تاریخی مقامات کو دیکھا اور وہاں کے پجاریوں، پروہتوں اور شاستروں سے حالات دریافت کئے۔

اس کتاب کی ایک خاص بات یہ ہے کہ بشیرالدین احمد کا اسلوب شروع سے آخر تک محمد حسین آزاد کی آب حیات کی طرح افسانوی ہے جسے دلکش بنانے کے لیے انھوں نے جابجا فارسی کے اشعار بھی استعمال کئے ہیں۔لیکن یہی پہلوان کی تاریخ کو داغ دار بناتی ہے۔کیونکہ تاریخ میں اسلوب بالکل سائنٹفک ہونا ضروری ہے۔

کتاب کی ابتداء میں فہرست مضامین ہے۔اس کے بعد دیباچہ ہے۔جہاں تک دیباچے کے اسلوب کا تعلق ہے۔وہ نہایت عام فہم ہے۔اصل تاریخ سے پہلے رہنمائے بیجانگر کے عنوان سے ایک مقالہ بطور تعارف لکھا ہے یہ حصہ انھوں نے بطور گائیڈ لکھا ہے اس کی تحریر میں راؤ بہادر سی۔ایچ۔گئوڑ کی مختصر کتاب سے مدد لی ہے۔اس تاریخ کے آخر میں مختلف راجگان اور سلاطین کے نسب نامے درج ہیں۔

جیسا کہ بتایا جاچکا ہے کہ یہ کتاب ۱۱۷ ابواب پر مشتمل ہے۔باب اوّل میں مؤلف نے جن پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ان میں چودھویں صدی میں ہندوستان کی سیاسی حالت بیجانگر کی جغرافیائی حالت،آناگندی کی قدیم ریاست،سلطنت بیجانگر کی نشونما کے بارے میں مؤلف کا بیان ابن بطوطہ،عبدالرزاق اور فرشتہ کی تحریرات سے ماخوذ ہے۔محمد بن تغلق کی بادشاہت کا ذکر انھوں نے حاشیہ میں بہ تفصیل کیا ہے۔

باب دوم کا عنوان''سلطنتِ بیجانگر کی ابتداء،ہے اس باب میں بشیرالدین احمد نے محمد بن تغلق کا کمپلی اور آناگندی کو فتح کرنے کا ذکر کیا ہے۔اس ذیل میں انھوں نے ابنِ بطوطہ کی تحریر کو پیش نظر رکھا ہے۔اس کے بعد محمد بن تغلق کے بھتیجے بہاءالدین کی گرفتاری اور موت، ملک نائب بطور گورنر آناگندی اور ملک کی بدامنی،شہر بیجانگر کی بنا۱۳۳۶ء ہمپی کے دیول کی بنا کے بارے میں اظہار خیال کیا ہے۔

باب سوم کا عنوان راجگان خاندانِ اوّل میں ابتدائے ۱۳۳۶ء تا ۱۳۷۹ء ہے اس باب میں تاریخ فرشتہ کے حوالے سے مؤلف نے تحریر کیا ہے کہ کس طرح مسلمانوں کو دکن سے ہٹانے کی کوشش کی گئی پھر کرناٹک پر سلطان علاؤالدین کے حملے کا ذکر ہے .اسی باب میں اسلامی اور عہد ہنود کی تعمیرات کا ذکر بڑی شرح وبسط کے ساتھ کیا گیا ہے .اس سلسلے میں مؤلف نے قلعے کے اندر کی عمارتوں کا ذکر کیا ہے .جس میں مسجد دیندار خاں جامع مسجد، چاوڑی، فتح دروازہ، فتح برج حسینی علم کی درگاہ، دھگرانی، آثارِشریف، باروت کوٹھ علی برج وغیرہ عمارتوں کا حال اچھے انداز میں کیا ہے۔اس باب کا وہ حصہ قابل مطالعہ ہے جہاں انھوں نے کتبوں کی تحریرات پیش کی ہیں باب کے آخر میں مجاہد شاہ کا قتل اور داؤد شاہ کی تخت نشینی (۱۳۷۸)، داود شاہ کا قتل اور محمود شاہ کی تخت نشینی اور سلطان محمود کا انتقال (۱۳۹۷) تک کے واقعات درج ہیں

باب چہارم کا عنوان توسیع سلطنت من ابتدائے ۱۳۷۹ تا ۱۴۰۶ ہے اس باب میں زبانِ سلطنت ہریہر دوم، سلطان غیاث الدین کی تخت نشینی (۱۳۹۷ء)، تغل چین کی سازش، غیاث الدین کا مکحول ہونا (۱۳۹۷)، سلطان شمس الدین کی تخت نشینی (۱۳۹۷)، باب کے آخر میں رودِ کشنا پر رائے بیجانگر اور فیروز شاہ بہمنی کی لڑائی (۸۰۱ھ م ۱۳۹۸) کی تفصیل دی ہے باب پنجم تا ہشتم میں دیورائے (۱۴۰۶ء تا ۱۴۹۰ء) کے دور کی تاریخ درج ہے۔

باب نہم تاریخ فرشتہ کے حوالے سے تحریر کیا ہے۔اس باب میں راجگانِ خاندانِ ثانی کا ذکر (۱۴۹۰ء تا ۱۵۰۹ء) ہے اس کے علاوہ یوسف عادل شاہ اور رائے بیجانگر کی جنگ، یوسف عادل شاہ کی گوا پر چڑھائی اور ہندوستان پر پرتگالیوں کی آمد کا ذکر کیا ہے۔

باب دہم میں کشن دیورائے کی سلطنت کے حالات بہ تفصیل بیان کئے گئے ہیں بیجانگر کے حالات سیاح باربوسہ کی زبانی (۱۵۱۶) درج کئے گئے ہیں

گیارہوں باب میں محاصرہ وجنگ رایچور اور کشن رائے کی سلطنت کے خاتمے من ابتدائے (۱۵۲۰ تا ۱۵۳۰ء) پر روشنی ڈالی گئی ہے۔در بیان میں بطور حاشیہ بشیرالدین احمد نے قلعہ کے دروازے پر بنی ہوئی ایک مینار کی مسجد اور علی عادل شاہ کے عہد کی بنی ہوئی جامع مسجد اور اس پر کندہ کتبوں کا ذکر کیا ہے۔یہ حصہ تاریخی اعتبار سے قابلِ مطالعہ ہے۔اسی باب میں مؤلف نے جن

آثارِ قدیمہ کی تفصیل دی ہے ان میں جامع مسجد شاہی، شاہی مکان، کوٹھ، مزارِ پنج بیبیاں توپ، پتھر کا ہاتھی، آثارِ شریف، (اس میں تصویر حضرت رسول اللہ ﷺ اور موئے مبارک موجود ہونا بیان کیا جاتا ہے) جس کی زیارت دوازہم محرم شریف کو ہوتی ہے)

باب کے آخر میں تاریخ فرشتہ کے حوالے سے جنگِ رائے پور کی تفصیل دی ہے۔

بارہویں اور تیرہویں باب میں کشن دیو رائے کے عہد کی عمارتوں و دیگر کارہائے نمایاں کا تذکرہ درج ہے چودھواں باب بیجانگر کے زوال سے متعلق ہے۔

پندرہویں باب میں بیجانگر کی بربادی کا ذکر بہ تفصیل کیا گیا ہے۔ اسی باب میں پرتگالیوں کے انحطاط اور تنزل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

سولہویں باب میں شجرۂ خاندانِ سوم، سلاطین اسلام کا مجملی ذکر، علی عادل شاہ اوّل کا قتل (۱۵۸۰)، ابراہیم قطب شاہ کا انتقال اور قلی قطب شاہ کی جانشینی، حیدر آباد (دکن) کی بنا (۱۵۸۹) وغیرہ پہلوؤں پر رشنی ڈالی گئی ہے۔

سترہوں باب میں چندر گیری کے حالات (۱۶۱۴) جگا رائے کی بغاوت اور راجہ کے خاندان کا قتل، معاملات پلی کٹ، اور باب کیا آخر میں فرماں روایاں کی فہرست درج ہے۔

کتاب کے آخر میں چودہ ضمیمے درج ہیں اس کے علاوہ نقشہ جات اور عمارتوں کے نقشے بھی منسلک کئے گئے ہیں۔ جہاں تک اس کتاب کے اسلوب کا تعلق ہے تو وہ محمد حسین آزاد کی ''آبِ حیات کی طرح افسانوی ہے۔ مؤلف نے جابجا فارسی کے اشعار کا استعمال بھی کیا ہے۔ تاریخ بیجا نگر میں بعض اغلاط کا احساس ہوتا ہے۔ جیسے صفحہ ۱۳۱ پر سلطان محمد بن تغلق کا سنہ وفات ۷۱۶ ہجری تحریر ہے جبکہ اس کی وفات ۷۵۳ھ میں ہوئی ۷۲۵ھ میں زمانہ رحلت حضرت محبوب الٰہی دہلی آباد تھی اس کے بعد محمد بن تغلق نے دہلی اجاڑ دی تھی۔

واقعاتِ مملکتِ بیجاپور

اُردو تاریخ نگاری کے ارتقاء میں بشیر الدین احمد کی تالیف ''واقعاتِ مملکتِ بیجاپور'' نمایاں اہمیت کی حامل ہے۔ یہ کتاب ۱۹۱۵ء میں شائع ہوئی۔ جو تین حصوں پر مشتمل ہے جسکا مجموعی حجم

۱۲۳۱صفحات ہیں اس میں بیجاپور میں عادل شاہیوں کی تاریخ کا ذکر تفصیل سے درج ہے۔ اس کتاب کا سب سے اہم ترین حصہ وہ ہے جس میں تاریخی عمارتوں کے تفصیلی تذکرے کے بعد ان کے دروازوں پر کندہ کیے ہوئے کتبات دئے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد اس عہد کے بزرگانِ دین کے احوال کے علاوہ ان کے گنبدوں کے فوٹو بھی منسلک ہیں۔

اس کتاب میں اسلامی آثارِ قدیمہ کے علاوہ دوسرے مذاہب کے آثارِ قدیمہ کا بھی ذکر بڑی شرح وبسط کے ساتھ کیا گیا ہے جس سے مؤلف کی وسیع النظری ظاہر ہوتی ہے۔ اس تاریخ کی ترتیب میں بشیرالدین احمد نے عربی، فارسی، انگریزی اور اُردو کی مستند ماخذات سے استفادہ کیا مثلاً تاریخِ فرشتہ، محبوب الوطن تذکرہ سلاطین دکن مولف مولوی عبدالجبار، روضۃ الاقطاب المعروف بہ مظہر آصفی مولف رونق علی وغیرہ اہم ہیں۔ اس کے علاوہ مصنف نے دفاتر اضلاع رائچور وگلبرگہ وعثمان آباد کی امثلہ گزیٹیر اور مقامی تحصیل دار سے بھی مدد لی۔

واقعاتِ مملکت بیجاپور: (حصہ اوّل)

واقعاتِ مملکتِ بیجاپور حصہ اوّل ۱۹۱۵ء میں شائع ہوا۔ جو ۳۸۵صفحات اور نو ابواب پر مشتمل ہے۔

باب اوّل یوسف عادل شاہ سادی (۱۴۸۹ء تا ۱۵۱۰ء) کے عہدِ حکومت پر مشتمل ہے۔

باب دوم اسمٰعیل عادل شاہ (۱۵۱۰ء تا ۱۵۳۴ء) کے عہدِ حکومت کے واقعات پر مشتمل ہے۔ اس باب میں اسمٰعیل عادل شاہ کی تخت نشینی کے حالات اور دیگر واقعات قاسم برید اور دوسرے بادشاہوں کی بیجاپور پر چڑھائی کا حال درج ہے۔ جنگِ رائچور کا حال ''تاریخ فرشتہ'' سے ماخوذ ہے۔ علاوہ لڑائیوں کے شاہی خاندان کا ذکر بھی بڑی شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس باب کا وہ حصہ قابلِ مطالعہ ہے جس میں اسمٰعیل عادل شاہ کا کلام بطور نمونہ دیا گیا ہے۔

باب سوم میں ملّو عادل شاہ (۱۵۳۴ء) کا مختصر ذکر ہے۔ جو صرف چھ مہینے تخت نشین رہا۔

باب چہارم میں ابراہیم اوّل الملقب بہ عادل شاہ کے عہد کے واقعات پر روشنی ڈالی گئی

ہے۔اس باب میں جن پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ان میں بیجانگر کی سلطنت کا مجملی حال رام راج کا رعروج، بھوج ترمل کا زمانہ، ابراہیم عادل شاہ کا بیجانگر میں حسب الطلب بھوج ترمل آنا، ۱۵۳۶ء میں اسد خاں کا دنکٹادری کو ادھوی پر شکست دینا، وغیرہ واقعات کے علاوہ اس باب کے آخر میں ابراہیم عادل شاہ کی بیماری اور موت ۱۵۵۷ء اور ابراہیم عادل شاہ اوّل کے وقت کی عمارات و کیفیت لشکر و خزانہ کے بارے میں تحریر ہے۔

باب پنجم میں علی عادل شاہ اوّل (۱۵۵۷ء-۱۵۸۰ء) کے عہد حکومت کا تذکرہ پیش کیا گیا ہے۔

باب ششم میں ابراہیم عادل شاہ ثانی (۱۵۸۰ء-۱۶۲۷ء) کا ذکر ہے، جو اسی کے عہد میں سرحد بیجاپور کی لڑائی ہوئی اس میں چاند بی بی کا بھی ذکر ہے۔جو کشور خاں کے ہاتھوں قید ہوئی اسی کے ساتھ ساتھ اس باب میں درباری امراء کی سازشیوں اور لڑائیوں کا بھی ذکر ہے۔

باب ہفتم میں سلطان محمد عادل شاہ (۱۶۲۷ء-۱۶۵۵ء) کی تخت نشینی اور امرائے نظام شاہی کی باہمی مخالفت سے زوال کا مفصل حال درج ہے۔باب کے آخر میں شہزادہ اورنگ زیب کے دکن میں آنے کی تفصیل ہے۔

باب ہشتم میں عادل شاہ ثانی بن سلطان محمد عادل شاہ غازی (۱۶۵۶ء-۱۶۷۲ء) تک کے حالات و واقعات درج ہیں اور اورنگزیب کے ہاتھوں قلعہ بیدر اور کلیانی کو فتح کرنے کا ذکر ہے۔اسی باب میں شیوا جی کی بغاوت اور مغلوں کے زوال کے اسباب بیان کئے گئے ہیں۔پھر ان تمام شورشوں کا حال درج ہے۔جو اورنگزیب کو دکن کی مہم میں پیش آئے مؤلف نے علی عادل شاہ کے ذاتی حالات بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ اہلِ کمال کی بڑی قدر کرتا تھا۔اس کے دربار سے کئی سخندانِ پارس وابستہ تھے نصرتی اسی کے عہد کے شاعر تھے جنھوں نے گلشن عشق اور علی نامہ جیسی مثنویاں لکھیں بشیر الدین احمد نے اس عہد کے اُردو نمونے پیش کئے ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

خریدار کون خوب سودے سے کام   نہ دکان کا دیکھنا سقف و بام

ولہ

مضامین سوں جا بجا بات بول   دکھایا سکت فیض کا حق کے کھول (6)

باب نہم میں سلطان سکندر (۱۶۷۲ء-۱۶۸۶ء) تک کے دور کے حالات بیان کئے گئے ہیں جس میں شیواجی سے پہلی لڑائی اوراس کی ہار کا ذکر ہے۔اس کے بعد امراء کی سازشوں کا حال بیان کیا گیا ہے۔جس کی وجہ سے شیواجی کوابُھرنے کا موقع ملا۔اسی باب کے آخر میں اورنگزیب کی پیش قدمی بیجاپور کی فتح کاتفصیلی ذکر ہے۔اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اورنگزیب کی وفات کیسے ہوئی اور اس کا کردار کیسا تھااس باب کا اہم ترین وہ حاشیہ ہے جس میں اورنگ زیب کے مزاراوراس کی دیکھ بھال کی منظرکشی کی گئی ہے۔اس باب کے آخر میں مؤلف نے بتایا ہے کہ بیجاپور کیا تھااور کیا ہوگیا۔

واقعاتِ مملکتِ بیجاپور: دوم

واقعاتِ مملکتِ بیجاپور حصہ دوم ۱۹۱۵ء میں شائع ہوا۔جو ۱۲۵صفحات پر مشتمل ہے۔مؤلف نے اس حصے میں بیجاپور کے عام حالات، برج اور فصیلیں،شہر کے دروازے، دروازوں اور برجوں کے کتبے،کتبہ بروج ، ذرائع آب رسانی،مبارک محل، اس کے علاوہ سلاطین ، عادل شاہیہ کی فہرست مع زماں سلطنت کے درج کی ہے اوراسی کے ساتھ ساتھ ان عمارتوں کی بھی تصیح کی گئی ہے جو جس کے عہد معدلت میں بنی تھیں ان سلاطین کے عہد میں بنی عمارتوں میں گگن برج، چاند باؤلی سات منزلی یا سات کھن کا محل، آنند محل، گول گنبد، ابراہیم روضہ، ابراہیم کی جامع مسجد، بیوی باندی کی باؤلی وغیرہ عمارتوں کا تذکرہ بڑی شرح وبسط کے ساتھ کیا گیا ہے۔ ان عمارتوں کی منظرکشی کے علاوہ آثارمحل ۱۶۶۴ء میں رکھے موئے مبارک کی موجودگی کا بھی ذکر کیا ہے۔تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ موئے مبارک حضور سرور کائناتﷺ کی ریش مبارک کے ہیں۔

> ''یہ مقدس ومتبرک عمارت قلعہ کی مشرق جانب ہے حضرت رسول اللہﷺ کی ریش شریف کے موئے مبارک کے یہاں موجود ہیں جن کے اصلی ہونے کے متعدد اسناد ہیں چنانچہ حضرت شاہ صبغۃ الحسینی البھروچی المدنی فی جب زیارت فرمائی تو آپ نے اپنے دستخط خاص سے سند لکھ دی کہ فقیر کو اشارت وبشارت سے تحقیق ہوا ہے کہ یہ موئے شریف حضرت سرور عالم کی

ریش مبارک کے ہیں اور یہ سند متولی آثار شریف مبارک کے پاس موجود ہے۔ان موئے مبارک ابراہیم عادل شاہ ثانی نے بہ صرف زر کثیر کمال خواہش و آرزو سے میر صالح ہمدانی سے حاصل کر کے اس عالیشان محل میں رکھا اور خدمت گزاری کے آداب انتہائی درجے کے بجالاتا تھا۔خدام و حفاظ و مدرسین وطلباء ولنگر وغیرہ کے اخراجات کیلئے ایک سرمایۂ کثیر مقرر کیا ہے۔" (7)

آگے انھوں نے بتایا ہے کہ ہر سال ماہ مبارک ربیع الاول کی پہلی تاریخ کو اسکی زیارت کرائی جاتی ہے۔اس کی تصدیق محمد قاسم فرشتہ نے بھی کی تھی کہ موئے مبارک اصلی ہیں۔ بشیرالدین احمد نے آثار قدیمہ کی لفظی عکاسی نہیں کی ہے بلکہ ان کے فوٹو بھی اس حصے میں شامل کئے ہیں اور اسی کے ساتھ ساتھ مسجدوں اور مقبروں پر جو کتبے لکھے ہوئے ہیں ان کی بھی نقل شامل کی ہے۔

واقعاتِ مملکت بیجاپور، حصہ سوم

واقعاتِ مملکت بیجاپور حصہ سوم ۱۹۱۵ء میں شائع ہوا یہ حصہ ۲۱۷ صفحات اور ۳۲ ضمیمہ پر مشتمل ہے۔اس حصے کا آغاز رائچور سے کچھ میل دور ادھونی کے واقعات سے ہوتا ہے۔قلعہ ادھونی پر سلطان علاؤالدین کی چڑھائی (۱۳۴۷ء) کے واقعات سے لے کر ٹیپو سلطان کی اوّلاد کے ذکر کے ساتھ ہندوستان کے عام تاریخی حالات، بادشاہوں ملک دکن، مسلمان بادشانِ وشہنشاہانِ دہلی، سلاطین کے شجرے، شاہی فرامین، کتبہ، مقبروں، قلعہ جات، مساجد اور دیگر آثارِ قدیمہ کے ذکر پر کتاب کا اختتام ہوتا ہے۔

بشیرالدین احمد نے اس میں آثارِ قدیمہ کا تذکرہ بڑے دلکش انداز میں کیا ہے۔اس حصے کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں نہ صرف اسلامی آثارِ قدیمہ کا تذکرہ ہے بلکہ دیگر مذاہب کے آثارِ قدیمہ پر روشنی ڈالی ہے۔مثلاً ونکٹیشن کو دیول، برہم چکر ایشور لنگ کا دیول، مہانند یشور کا دیول، بھوگی ناتھ کا دیول، ہنومان دیول، میل شنکر دیول، لسبونا دیول، چمپ لنگیا دیول، بسّپا کی دیول، کتبۂ چاوڑی، ہلیر نیڈی، کرور باؤلی، اندانی متھ وکاڑپاگری، پھول باؤلی وغیرہ۔اس حصے

کے آخر میں تاریخ قطعات مملکت بیجاپور دیئے ہوئے ہیں۔حکیم لطیف احمد کے قلعہ سال تالیف واقعہ شہنشاہانِ بیجاپور کے ہر مصرعہ اوّل کے پہلے حروف کے مجموعے سے سنہ عیسوی اور ہر دوسرے مصرعے سے پہلے حروف سے سنہ فصلی نکلتا ہے جو حسب ذیل ہے۔

''لکھا یہ تذکرہ پھر اب شہاں عادل روا ہے اس کو اگر کہئے گوہر منشور

قریب تر ہے زمانہ کہ چھپ کے شائع ہو جناب حضرت باری کو ہے اگر منظور

اب اس کتاب کا اگر درکار ہے جو نام ایسا کہہ فارسی سن تالیف بھی اس میں ضرور

چہ خوش بود کہ برآید بیک کرشمہ درکار کہو کہ واقعہ خسرواں بیجاپور

۹۱۴۔۱۳۲۱فصلی ۱۳۲۳فارسی ولہ

بشیر نے جو تاریخ ملک بیجاپور یہ جان فشانی وسعی بلیغ لکھی ہے

اب اس کی پوچھئے کوئی یا نقطہ اگر تاریخ تو بس یہ کہہ دو کہ'' تاریخ بادشاہی ہے

تواریخ مبسوط شہنشاہ بیجاپور(8)

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ تاریخ نگاری میں مورخ کو سائنٹفک اسلوب کو ترجیح دی جانی چاہیے لیکن عموماً یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ مورخ اپنے جذبات کو قابو میں نہیں رکھ سکتا اس تاریخ میں بھی یہی وصف پایا جاتا ہے آثار قدیمہ کی منظر کشی کے ساتھ ساتھ جذبات کی آمیزش بھی ہوگئی ہے۔اس طرح یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ بشیر الدین احمد نے آثار قدیمہ کے بیان میں جذباتی اسلوب کو اپنا یا جس کی وجہ سے عبارت انتہائی دل نشین ہوگئی ہے۔البتہ ایک کمی کا احساس ہوتا ہے کہ انھوں نے یہ کہیں نہیں لکھا کہ تصنیف میں شامل اشعار کس کس شاعر کے ہیں۔وہ سب حسبِ موقع ہیں۔

واقعات دار الحکومت دہلی

واقعات دار الحکومت دہلی ۱۹۱۹ء میں دہلی سے شائع ہوئی جو تین جلدوں پر مشتمل ہے۔اس کا مجموعی حجم ۲۴۴۳صفحات ہیں اس میں ۱۴۵۰ق م سے ۱۹۱۹ء تک کے واقعات درج ہیں یعنی اس کتاب میں دہلی کی تاریخ، آثار قدیمہ مزارات، اکابر و مشاہیر، علماء وغیرہ پہلوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔حالانکہ یہ کام بشیر الدین احمد سے قبل سر سید احمد خاں اپنی تصنیف آثار الصنادید میں کر چکے

ہیں ۔لیکن بشیر الدین احمد نے اس میں کافی حد تک توسیع کی ہے اور عہد سرسید کے ادیبوں ،مشائخین ،علماء شاعروں اور دیگر واقعات کا تذکرہ کیا ہے ۔اس کتاب کی تصنیف وتالیف میں مصنف

نے فارسی عربی اورانگریزی کے ماخذات سے استفادہ کیا ہے۔ ہیڈران ماخذات کی مؤلف نے فہرست بھی دی ہے۔

واقعات دارالحکومت دہلی: جلداوّل

یہ جلد چھ ابواب اور ۱۰۴۰ صفحات پر مشتمل ہے جو قدیم عہد سے دورِ جدید تک کے واقعات پر مبنی ہے۔اس جلد کے شروع میں دیباچہ ہے جس میں حمد ونعت کے بعد وجاہت جھنجانوی کالکھا ہوا ہے دہلی پر مسدّس ہے۔صفحہ۱۲ پر فہرست سلاطین دہلی مع عمارات بنا کردہ بقید سال تعمیر مفصل نقشہ پیش کیا ہے یہ نقشہ تاریخی نقطۂ نظر سے اہمیت کا حامل ہے۔باب اوّل کا عنوان ’دلی ہندوؤں کے عہد میں‘ ہے اس باب میں ہندوؤں کے عہد کے دہلی کی روایتی تاریخ درج ہے۔ابتداء میں اس پہلو سے بحث کی ہے کہ دہلی آبادی کی کئی بار ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے میں دریا کے قریب و بعد کو کتنا دخل تھا اس کے علاوہ مولف نے ہندوؤں کی تاریخی روایات کو بیان کیا ہے یہ حصہ مختلف راجاؤں کے خاندانوں کے ذکر پر مشتمل ہے کہیں کہیں بشیرالدین احمد نے کسی تاریخی نتائج پر تبصرے سے بھی کام لیا ہے۔باب دوم کا عنوان ’دلی مسلمانوں کے عہد میں ہے‘ اس باب میں پہلے خاندانِ غلامان کا ذکر ہے پھر خاندانِ خلجی کی تاریخ ہے۔اس کے بعد سلاطین تغلق کے عہد کی تاریخ پر روشنی ڈالی ہے۔تغلق خاندان کے بعد خاندانِ سادات اور پھر لودھی خاندان کی تاریخ پر مفصل تذکرہ ہے۔اسی باب میں مغل عہد کی دہلی کے بارے میں جس پہلو کو نمایاں کیا ہے وہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان خاندانی رشتوں کا استوار ہونا ہے اس کی مثال اکبر کا جودھا بائی سے شادی کرنا ہے۔اس کے علاوہ مختلف جنگوں کا تذکرہ ہے اسی باب میں بعض عنوانات موضوع بحث بنائے ہیں جیسے اکبر کا علمی مذاق، اکبر کے نورتنوں کا ذکر اکبر کی مذہبی التجا وغیرہ۔

باب سوم کا عنوان’’ کایا پلٹ دلی جان کمپنی کے تحت میں‘‘ اس باب میں مؤلف نے مغلیہ

سلطنت کے زوال پر تذکرہ کیا ہے اوراس پہلو کو بھی اجاگر کیا ہے کہ مرکزیت کے نہ ہونے کے سبب انگریزی طاقت دن بدن بڑھ رہی تھی۔ چوتھا باب غدر ہند ۱۸۵۷ء سے متعلق ہے۔اس میں غدر کے اسباب سے بحث کی ہے پانچویں باب میں ۱۸۵۷ء کے دربارِ قیصری کی منظر کشی کی ہے ملکہ وکٹوریہ،شاہ ایران، دعوتِ شہنشاہی،جشن جوبلی اور مختلف سیاسی ناموں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ جوزیادہ افسانوی رنگ میں لکھا گیا ہےاس ذیل میں مؤلف نے مولوی نذیراحمد اور حالی کی نظموں کا اندراج بھی کیا ہے۔اس جلد کے آخر میں ساحل دہلوی کا ترکیب بند دیا ہے.اور لالہ چندی پرشاد شیدا دہلوی اور دیگر شعرا کی تاریخیں دی ہوئی ہیں.جن میں منشی اشیاق احمد نے واہ مخزن تاریخ اور مرزا محمد اسحاق نے قدس داستان تاریخ سے تاریخ اشاعت نکالی ہے۔

واقعاتِ دارالحکومت دہلی (حصہ دوّم)

اس حصّے میں دہلی شہر کی عمارات کے تذکرے کے ساتھ علمائے دین ، اطباء متفرق علماء ، مشائخین ،اورادیبوں کا مفصّل بیان درج ہے۔

آثارِ قدیمہ سے متعلق موضوعات سرسید کی آثارالصنادید سے ماخوذ ہیں۔ یہ حصّہ تین ابواب اور ۸۷۶ صفحات پر مشتمل ہے۔باب اوّل میں ’’دہلی اوراندورونی شہر کی عمارات کا بیان درج ہے باب دوم’’:عمارات بیرون شہر جو فصل کے قرب وجوار میں ہیں‘‘ سے متعلق ہے۔اور باب سوم میں دلّی شہر کے دلّی دروازے درگاہ حضرت نظام الدین اوّلیاء ومقبرۂ ہمایوں ودیگرعمارات گردوپیش کا بیان درج ہے اس کے علاوہ فہرست نقشہ جات‘ تصاویربھی دی ہوتی ہیں فہرست مضامین دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف نے دلّی کی اوراندرونِ شہر کی تمام قدیمی عمارات کا ذکر جس تفصیل سے کیا ہے یقیناً ان میں سے بہت سی عمارتیں ایسی بھی ہیں جو آج ناپید ہیں لیکن بشرالدین احمد نے جس انداز میں عمارات کی منظر کشی کی ہے وہ اہمیت کی حامل ہے۔اس حصے میں

دیباچے سے پہلے کئی فہرستیں درج ہیں جن میں اندرونی شہر کی عمارات سے متعلق تین فہرستیں ہیں۔ان میں با قاعدہ بانی کا نام‘ مال اوراس کی کیفیت درج ہے۔صفحہ ۲۷ پر دلی کے قلعہ جات اورشہر کی فہرست دی ہوتی ہے صفحہ ۲۹ پر عمارات قدیمہ شہرومضافات دہلی اور صفحہ ۳۷ پر نقشہ شہر دہلی کے اندراندر کی عمارات کا مفصل بیان ہے۔اس فہرست میں عمارات کی تقسیم محلّہ وار کی گئی

ہے قلعہ کی عمارات کا گروپ جداگانہ قائم کیا گیا ہے جس کا نمبر سلسلہ وار قلعہ سے شروع ہوا ہے اور دوسرا گروپ چاندنی چوک کے جنوب سے شروع ہوا ہے۔اور آخری گروپ ان عمارتوں کا جو بازار مذکور کے شمال میں واقع ہیں نقشے میں بڑی بڑی عمارتوں کے نمبر وار علامات کے علاوہ نام بھی لکھ دیئے گئے ہیں۔اس طرح یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ تاریخی نقطۂ نظر سے یہ فہرست اہمیت کی حامل ہیں۔اس کے علاوہ مولف نے اسی حصے میں قلعے اور اس عہد کے دربار کا ذکر جس تفصیل سے کیا ہے۔وہ نہایت قابل مطالعہ ہے شہر کے کون کون سے دروازے تھے قلعے کے انجینئر کون کون تھے۔ قلعے کی تعمیر میں کس کس مصالحہ کا استعمال ہوا یہ جو تاریخی نقطۂ نظر سے اہمیت کا حامل ہے۔

اس کتاب کا وہ حصہ قابل مطالعہ ہے جس میں بشیر الدین احمد نے اس عہد کے اطباء، علمائے دین، متفرق علماء، مشائخین، شعراء اور ادیبوں کا تذکرہ کیا ہے۔مشائخین میں حضرت مولانا ابوسعید صاحب، مولانا شاہ احمد سعید صاحب، مولانا شاہ عبدالغنی صاحب، حاجی علاؤ الدین احمد صاحب، مولانا فخر الدین علیہ الترحمہ صاحب، حضرت مولانا قطب الدین صاحب، حاجی نصیر الدین عرف کالے صاحب وغیرہ کا ذکر کافی شرح وبسط کے ساتھ کیا ہے۔اطباء حکماء میں حکیم غلام نجف خاں، حکیم صادق خاں صاحب وغیرہ کا نام قابل ذکر ہے۔جن ادیبوں اور شعراء کا ذکر کیا ہے۔ان میں چند ادیبوں کے نام اس طرح ہیں مولوی سید احمد شاہ (فرہنگ آصفیہ)، مولوی راشد الخیری مومن خاں مومن، شاہ نصیر، نواب مرزا داغ دہلوی وغیرہ کا مفصل بیان ہے۔

بشیر الدین احمد نے صفحہ ۳۰۴ سے ۳۴۹ تک مختلف موضوع سے متعلق فہرست دی ہیں جو قابل مطالعہ ہیں ان میں مساجد، اہل ہنود کے شوالوں مندروں کی فہرست درج ہے۔ان فہرستوں میں باقاعدہ مسجد، مندر کا نام، کیفیت اور کس محلّہ میں ہے ساری معلومات درج ہیں۔دراصل ان فہرست مساجد، ہنود کے شوالوں اور مندروں کا ذکر جداگانہ طور پر نہیں کیا گیا ہے۔

اس حصے کا طرزِ تحریر کافی حد تک سائنٹفک ہے مگر کہیں کہیں مؤلف نے جذباتی اسلوب بھی استعمال کیا ہے۔

مختصر طور پر کہا جا سکتا ہے کہ واقعات دارالحکومت دہلی حصہ دوم تاریخی نقطۂ نظر سے اہمیت کی حامل ہے۔

واقعات دارالحکومت دہلی (حصہ سوم)

واقعاتِ دارالحکومت دہلی حصہ سوم ۱۹۱۹ء میں دہلی سے شائع ہوا۔ یہ حصہ تین ابواب اور ۵۲۷صفحات پر مشتمل ہے۔ باب اوّل کا عنوان دلّی سے قطب تک، باب دوم کا عنوان ''سلطان غازی'' ہے اور باب سوم کا عنوان ''قطب صاحب سے تغلق آباد'' ہے۔اس حصے کے آخر میں مصنف نے بطور یہ ضمیمہ چند فرامین شاہی کی نقلیں درج کی ہیں۔ جو تاریخی نقطۂ نظر سے اہمیت کی حامل ہیں۔ چند قطعات تاریخ بھی تحریر ہے۔جس سے سنہ ہجری میں تاریخ اشاعت نکلتی ہے۔

اس حصے میں مسلم عہد سے انگریزی عہد تک کی جملہ تعمیرات کا ذکر بہ تفصیل کیا گیا ہے۔ تعمیرات کی تصاویر سے بیک نظران کی خوبیوں پر روشنی پڑتی ہے۔فنِ تعمیر کے نقطۂ نظر سے حصہ سوم اہمیت کا حامل ہے۔ اس طرح یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ یہ حصہ مختلف عہد میں بنوائے گئے مقبرے، مساجد، گنبدوں اور دیگر عمارات کے بارے میں معلومات فراہم کرنے کا اہم ترین ماٰخذ ہے۔ان گنبدوں مساجداور مقبروں میں چند کے نام اس طرح ہیں۔ بھوتلہ گنبد، مجاہد پور کا نامعلوم، بڑا گنبد(جس سے بڑے خاں کا گنبد کہتے ہیں)، چھوٹا گنبد (یا چھوٹے خاں کا گنبد)،توپوں والا گنبد، فیروز شاہ تغلق

کا مقبرہ، امام ضامن کا مقبرہ، مقبرہ سلطان علاؤالدین خلجی، ہمایوں پور کا مقبرہ، شیخ شہاب الدین تاج خاں کا مقبرہ، سلطان ابوسعید کا مقبرہ، ادہم خاں کا مقبرہ، معروف خاں کا مقبرہ، لنگ خاں کا مقبرہ وغیرہ قابل مطالعہ ہے۔

مساجد میں کھڑکی مسجد (۱۳۸۷ء)، دوبرجی مسجد، کالوسرائے کی مسجد قوت الاسلام مسجد وغیرہ اس طرح اس حصے میں نہ صرف مساجد، گنبدوں، مقبروں اور دیگر عمارات کی دقعت کا اندازہ ہوتا ہے۔ بلکہ فنِ تعمیرات پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ بشیرالدین احمد نے ۱۴۵۰ء قبل مسیح سے لے کر ۱۹۱۹ء تک کے حالات ''واقعات دارالحکومت دہلی'' میں بڑی شرح وبسط کے ساتھ درج کئے ہے ہیں۔ اور حتیٰ الامکان اس تالیف کو معتبر بنانے کی کوشش کی ہے۔لیکن جن کتابوں سے حوالے لیے ہیں ان

کتابوں کے ایڈیشن یا ان کے سن اشاعت اور صفحات کا ذکر کسی اور جگہ حاشیہ میں نہیں کیا۔اس علاوہ انھوں نے اس کتاب کے اسلوب میں افسانوی طرز کو اپنایا۔اور جا بجا اشعار بھی تحریر کئے ہیں۔اس سے عبارت میں رنگینی تو آ گئی ہے لیکن حقائق پس پشت چلے گئے ہیں۔لیکن ان سب کے باوجود اس میں کوئی شک نہیں کہ سر سید کی آثار الصنادید کے بعد پہلی تاریخی کتاب ہے جس میں دہلی کے واقعات اتنی شرح وبسط کے ساتھ درج کئے گئے ہیں۔

فرامینِ سلاطین

مذکورہ بالا کتابوں کے علاوہ انھوں نے ''فرامین سلاطین'' بھی مرتب کی اس میں ایک سو اٹھائیس فرامین اور آٹھ فرامین کے عکسی تصویروں ہیں ان فرامین میں سب سے زیادہ قابل ذکر اورنگ زیب کا وہ فرمان ہے۔جس میں اس نے حاکم بنارس کو مندر نہ توڑنے کی ہدایت کی تھی۔اس کے علاوہ ان فرامین سے وہ تمام معلومات حاصل ہو جاتی ہیں کہ یہ کس کے لیے تھے اور کس تاریخ میں لکھے تھے۔اکثر فرامین فارسی زبان میں ہیں اس طرح اس میں اورنگ زیب کا فرمان ہی نہیں بلکہ کئی فرمان قابل ذکر ہیں

جن سے پتہ چلتا ہے۔مغل حکمراں متعصب نہیں تھے۔بلکہ ان کی سخاوت سے دوسرے مذاہب کے لوگ بھی فیضیاب تھے اورنگ زیب کے فرمان کے ساتھ ساتھ اس کے کردار پر منصفانہ تبصرہ بھی کیا ہے۔

اس طرح اس میں کوئی شک نہیں کہ اردو زبان میں تاریخ نگاری کی تاریخ میں بشیر الدین احمد دہلوی کا اہم ترین تعاون رہا ہے۔

OO

حواشی

(1) ارمغان فاروقی، مرتبہ ظہیر احمد صدیقی، دہلی ص ۳۱

(2) لختِ جگر، ص۔ ۵۸
(3) گنجینۂ گوہر، شاہد احمد دہلی، ص ۷۱
(4) واقعات دارالحکومت دہلی. حصہ اوّل، بشیر الدین احمد، ۱۹۱۹، دہلی، ص ۹
(5) واقعات مملکت بیجاپور. حصہ اوّل، بشیر الدین احمد، ص۔ ۱۱
(6) واقعات مملکت بیجاپور. حصہ اوّل، بشیر الدین احمد، ص۔ ۳۱۴
(7) واقعات مملکت بیجاپور. حصہ دوم، بشیر الدین احمد، ص۔ ۳۴۰
(8) واقعات مملکت بیجاپور. حصہ سوم، بشیر الدین احمد، ص۔ ۷۰۲-۷۰۴